بحث ونظر

اسلام کا شورائی نظام

سید جلال الدین عمری

اسلام کے تصور ریاست میں اس کے شورائی نظام کو اساسی اہمیت حاصل ہے تیس برس سے زیادہ عرصہ ہوا کہ راقم الحروف کو اس موضوع پر قرآن، حدیث اور اسلامی تاریخ کے دورِ اول کا کسی قدر تفصیل سے مطالعہ کا موقع ملا اور اس کے نتیجے میں ایک پوری کتاب تیار ہو گئی، یہ کتاب ۱۹۵۶ء میں بالاقساط ماہنامہ زندگی رام پور میں شائع ہوئی۔ یہ ایک طالب علم کی پہلی علمی کوشش تھی لیکن موضوع نیا تھا اور اس پر ہماری زبان میں علمی اور تحقیقی انداز کی کوئی بحث نہیں ہو سکی تھی۔۔۔ اتنا عرصہ گزرنے پر بھی اب تک اس پر شاید کم ہی لکھا گیا ہے۔۔۔ اس لیے اہلِ علم دوستوں اور بزرگوں نے قدر کی نگاہ سے دیکھا اور ہمت افزائی کی۔ برصغیر کے مشہور عالم دین مولانا امین احسن اصلاحی نے اس کی تائید وتحسین فرمائی اور چند سال بعد جب ماہنامہ میثاق لاہور جاری فرمایا تو اس میں اسے بالاستیعاب شائع فرمایا۔ ۱۹۸۳ء میں ادارۂ تعمیرِ انسانیت اردو بازار، لاہور نے ماہنامہ زندگی سے اسے جوں کا توں نقل کر کے کتابی صورت میں بھی شائع کر دیا۔

زیر بحث مسئلہ میں میری اب بھی وہی رائے ہے جو میں نے اس کتاب میں پیش کی ہے اس میں ابھی تک کوئی تبدیلی نہیں آئی ہے۔ البتہ کتاب پر نظر ثانی کی ضرور خواہش ہے تاکہ اس کے مواد اور اس کی زبان وبیان کو مزید بہتر بنایا جا سکے اور اس میں ان پہلوؤں سے جو کمیاں رہ گئی ہیں ان کو دور کیا جا سکے۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ اس کا موقع کب ملے گا۔

پیش نظر مقالہ میں اس موضوع سے متعلق گو کہ کچھ نیا مواد بھی ہے لیکن یہ دراصل اسی کتاب پر مبنی ہے۔ یہ مقالہ دو سال قبل ایک سمینار کے لیے لکھا گیا تھا لیکن اس میں شریک نہ ہونے کی وجہ سے وہاں پیش نہ ہو سکا۔ اب ان اوراق کے ذریعہ نذرِ ناظرین کیا جا رہا ہے۔
(جلال الدین)

اسلام کے نقطۂ نظر سے شارع اور قانون ساز صرف اللہ ہے۔ شریعت اور قانون دینے

کا حق صرف اسی کو ہے۔ بندے کا کام اس کی اتباع ہے اس میں ترمیم و تنسیخ اور حذف و اضافہ کی اسے اجازت نہیں ہے۔ وہ ان تمام احکام کا پابند ہے جو اللہ تعالیٰ نے دئیے ہیں۔ اسے اسی حد تک آزادی حاصل ہے جس حد تک اس نے آزادی دی ہے۔ اس کا یہ قانون فرد کی نجی اور شخصی زندگی سے لے کر معاشرتی، معاشی اور سیاسی زندگی سب پر حاوی ہے۔ لیکن اسلامی قانون نے زندگی کے بعض مسائل میں پوری تفصیلات فراہم کی ہیں۔ آدمی ان تمام تفصیلات کا پابند ہے۔ جیسے عبادات، ان کے اوقات، ان کے طریقے اور ان کے آداب سب اس نے بتا دئیے ہیں۔ زمان و مکان اور حالات کے لحاظ سے ان میں جو فرق واقع ہو سکتا ہے اس کی بھی وضاحت کر دی ہے۔ اسی میں بڑی حد تک اسلام کا خاندانی اور عائلی نظام بھی آتا ہے۔ بعض مسائل میں اس نے اصولی ہدایات کے ساتھ خاصی تفصیلات بھی فراہم کر دی ہیں۔ ان کی روشنی میں مزید تفصیلات مرتب کی گئی ہیں۔ آئندہ حالات کے لحاظ سے ان میں اور اضافہ ہو سکتا ہے۔ جیسے کاروبار، تجارت اور لین دین کے احکام، لیکن بعض مسائل میں اس نے صرف اصولی ہدایات دی ہیں، تفصیلات کو حالات اور زمانے پر چھوڑ دیا ہے جیسے سیاسی اور انتظامی امور، جنگ و صلح کے اصول اور اسی نوعیت کے بعض دوسرے مسائل۔ ان ہی میں شوریٰ کا مسئلہ بھی ہے۔ شوریٰ کا تصور اسلام سے قبل دور جاہلیت میں بھی تھا۔ اسلام نے اسے برقرار رکھا اور اس کی تعریف و توصیف کی، ڈکٹیٹر شپ اور مطلق العنانی کے مقابلہ میں یہ تصور دیا کہ معاملات رائے اور مشورے سے طے ہونے چاہئیں۔ اس کے لیے شوریٰ کی فضیلت بیان کی۔ اہل ایمان کی ایک خوبی کا ذکر ان الفاظ میں ہوا ہے۔ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ (الشوریٰ: ۳۸) یعنی ان کے معاملات باہمی مشورے سے طے ہوتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا:

وَشَاوِرْهُمْ فِى الْاَمْرِ فَاِذَا — ان سے معاملات میں مشورہ کرو پھر
عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ (آل عمران: ۱۵۹) — جب پکا ارادہ کر لو تو اللہ پر بھروسہ کرو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی متعدد احادیث میں شوریٰ کی فضیلت اور امت کے سیاسی نظام کے لیے اس کی ضرورت اور اہمیت بیان ہوئی ہے۔ یہاں ایک حدیث پیش کی جا رہی ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-

اذا کانت امراءکم خیارکم واغنیاءکم سمحاءکم وامورکم شوریٰ بینکم فظھر الارض خیر لکم من بطنھا واذا کانت امراءکم شرارکم واغنیاءکم بخلاءکم و امورکم الیٰ نسائکم فبطن الارض خیر لکم من ظھرھا[1]	جب تم میں سب سے بہتر لوگ تمہارے امیر ہوں، تمہارے دولت مند بڑے دل والے اور سخی ہوں اور تمہارے معاملات تمہارے درمیان مشورے سے طے ہوں تو زمین کے اوپر کا حصہ تمہارے حق میں اس کے نیچے کے حصہ سے بہتر ہوگا (مطلب یہ کہ سطح زمین پر تمہارا وجود خیر کا باعث ہوگا) لیکن جب تمہارے بدترین افراد تمہارے امیر ہوں، تمہارے اندر دولت ان لوگوں کے ہاتھ میں ہو جو بخیل ہوں اور تمہارے معاملات عورتوں کے حوالے ہو جائیں تو بطنِ زمین تمہارے لیے اس کی پشت سے بہتر ہوگا (یعنی تمہارے وجود سے عدم وجود بہتر ہوگا)

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں :-

واللہ ما استشار قوم الا ھدوا لافضل مابحضرتھم[2]	قسم خدا کی جب بھی کوئی قوم مشورہ کرے گی تو پیش آمدہ مسائل میں بہتر پہلو کی طرف اس کی رہنمائی ہوگی۔

ان تعلیمات پر جس طرح عمل ہوا اس کی تفصیل بھی ملاحظہ ہو۔ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں :-

ما رایت احدا اکثر مشورۃ لاصحابہ من	میں نے کسی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ اپنے ساتھیوں سے

---

[1] ترمذی۔ ابواب الفتن۔ باب (بغیر عنوان)۔ اس حدیث کے ایک راوی صالح المری کے بارے میں امام ترمذی فرماتے ہیں:۔ فی حدیثہ غرائب لایتابع علیھا وھو رجل صالح ۔ ۵۲/۲ مطبوعہ ہند

[2] امام بخاری: الادب المفرد مع شرحہ فضل اللہ الصمد فی توضیح الادب المفرد: ۳۵۸/۱

النبی صلی اللہ علیہ وسلم[1] مشورہ کرنے والا نہیں دیکھا۔

اس معاملہ میں ائمہ اور خلفاء کے طرزِ عمل کو امام بخاری یوں بیان فرماتے ہیں۔

وکانت الائمۃ بعد النبی صلی اللہ علیہ وسلم یستشیرون الامناء من اھل العلم فی الامور العامۃ لیاخذوا باسھلھا فاذا وضح الکتاب او السنۃ لم یتعدوہ الی غیرہ اقتداء بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم[2]

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ائمہ امت اہل علم میں سے امانت دار افراد سے عام معاملات میں مشورہ کرتے تھے تاکہ زیادہ آسان صورت پر عمل کر سکیں۔ جب کتاب وسنت کی واضح تعلیمات سامنے آجاتیں تو نبی صلعم کے اسوہ پر عمل کرتے ہوئے کسی دوسری طرف قدم نہیں اٹھاتے تھے۔

اسلام نے شوریٰ کا مکمل اور وسیع تصور ہی نہیں دیا ہے، بلکہ معاشرہ کے اندر اس کا ذوق اور رجحان پیدا کیا ہے تاکہ ہر فرد اپنے ذاتی اور شخصی معاملات سے لے کر امورِ سیاست تک ہر معاملہ میں شورائی زندگی کا عادی ہو اور یہ چیز اس کے مزاج میں رچ بس جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعض نجی معاملات میں بھی صحابہ کرام سے مشورہ کیا۔ اس کی ایک نمایاں مثال واقعہ افک ہے۔ جب حضرت عائشہؓ پر بہتان طرازی کی گئی تو آپ نے حضرت علیؓ اور حضرت زیدؓ سے جو آپ کے خانگی حالات سے زیادہ باخبر تھے، مشورہ کیا، یا جب قرآن شریف میں یہ آیت نازل ہوئی:

یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا وَزِیْنَتَهَا فَتَعَالَیْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِیْلًا ○ (الاحزاب: ۲۸)

اے نبی اپنی بیویوں سے کہہ دو کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی زیب و زینت چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں متاعِ دنیا دے دوں اور اچھی طرح چھوڑ دوں

آپ نے حضرت عائشہؓ کو یہ آیت سنائی اور فرمایا کہ اس معاملہ میں تم جلدی نہ کرو اور

---

[1] ترمذی، ابواب فضائل الجہاد، باب ما جاء فی المشورۃ۔ قال الحافظ رجالہ ثقات الا انہ منقطع فتح الباری: ۱۳/ ۲۶۱
ورواہ احمد والشافعی۔ نیل الاوطار: ۸/ ۴۶

[2] بخاری: کتاب الاعتصام، باب قول اللہ وامرہم شوریٰ بینہم

۴۱۷

اپنے والدین سے مشورہ کرلو پھر مجھے بتاؤ۔ حضرت عائشہ نے فرمایا کہ اس معاملہ میں مجھے مشورہ کی ضرورت نہیں ہے میں اللہ اور اس کے رسول کو چاہتی ہوں[۵۱]

فاطمہ بنت قیس کی طلاق ہوگئی تھی۔ عدت گزارنے کے بعد انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ مجھے معاویہ بن ابوسفیان اور ابوجہم نے نکاح کا پیغام دیا ہے، اس میں آپ سے مشورہ چاہتی ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ ابوجہم تو عورتوں کو بہت مارتے ہیں اور معاویہ بن ابوسفیان خستہ حال ہیں۔ ان کے پاس پیسہ نہیں ہے (کہ بیوی بچوں کا خرچ برداشت کرسکیں) آپ نے فرمایا کہ تم اسامہ سے شادی کرلو۔ چنانچہ میں نے ان سے شادی کرلی۔ اللہ تعالیٰ نے اس رشتہ میں بڑی خیر و برکت رکھی تھی اس کی وجہ سے لوگ مجھ پر رشک کرنے لگے[۵۲]

خاندانی زندگی میں عورتوں سے بھی رائے مشورہ حاصل کرنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ اس ذیل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

امروا النساء فی بناتھن[۵۳]	عورتوں سے ان کی بچیوں (کی شادی وغیرہ) کے بارے میں مشورہ کرو۔

اب ذرا ذاتی معاملات سے ہٹ کر اجتماعی معاملات پر غور فرمائیے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ اگر کوئی ایسا معاملہ میرے سامنے آئے جس میں اللہ تعالیٰ نے کوئی حکم نازل نہ کیا ہو اور سنت میں بھی کوئی حکم نہ ہو تو ارشاد ہو کہ مجھے کیا کرنا چاہیے؟ آپ نے فرمایا:۔

تجعلونہ شوریٰ بین	اس معاملہ کو تم ان لوگوں کے مشورے
اھل الفقہ والعابدین من	سے طے کرو جو اہل ایمان میں عبادت
المومنین ولا تقضی فیہ برای	گزار اور فقہ و بصیرت والے ہیں اور خاص
خاصۃ[۵۴]	کسی ایک رائے سے فیصلہ نہ کرو۔

---

۵۱ مسلم، کتاب الطلاق، باب بیان ان تخیرہ امرأتہ لایکون طلاقا الا بالنیۃ

۵۲ مسلم، کتاب الطلاق، باب المطلقۃ البائن لانفقۃ لہا۔ ۵۳ ابوداؤد، کتاب النکاح

۵۴ رواہ الطبرانی فی الاوسط وابوسعید فی القضاۃ (علاء الدین المتقی الہندی: کنز العمال: ۵/ ۸۶۴ حیدرآباد طبع جدید) ابن عبدالبر: جامع بیان العلم وفضلہ ۲/ ۳۶۳، ۳۶۴ مطبوعہ قاہرہ ۱۹۸۲ء۔ اس مفہوم کی =

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں روایات میں آتا ہے کہ جب ان کے سامنے کوئی مسئلہ آتا تو کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ فرماتے۔ کتاب اللہ میں اس کے متعلق حکم نہ ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق فیصلہ کرتے۔ سنت میں بھی کوئی واضح ہدایت نہ ہوتی تو آپ کے طریقہ کار کی وضاحت ان الفاظ میں کی گئی ہے:۔

جمع رؤس الناس وخیارھم	مسلمانوں کے سرداروں اور بہترین لوگوں
فاستشارھم فاذا اجتمع	کو جمع فرماتے اور ان سے مشورہ فرماتے۔
رایھم علی شیء قضی بہ [1]	جب ان کی رائے کسی بات پر متفق ہو جاتی
	تو اس کے مطابق فیصلہ کرتے۔

ٹھیک یہی طریقہ حضرت عمرؓ کا تھا۔ وہ کتاب وسنت کے بعد حضرت ابوبکرؓ کے فیصلوں کو دیکھتے (جو صحابۂ کرام کے مشوروں سے ہوتے تھے)۔ اگر زیر بحث معاملہ میں حضرت ابوبکرؓ کا بھی کوئی فیصلہ نہ ملتا تو حضرت ابوبکرؓ کے اسوہ پر عمل فرماتے۔

دعا رؤس المسلمین وعلماءھم	مسلمانوں کے سرداروں اور ان کے اہل
فاستشارھم فاذا اجتمعوا	علم کو جمع کرتے، ان سے مشورہ کرتے جب
علی الامر قضی بینھم [2]	وہ کسی بات پر اتفاق کر لیتے تو اس کے
	مطابق لوگوں کے درمیان فیصلہ فرماتے۔

قاضی شریح کہتے ہیں کہ مجھ سے حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا۔ کتاب اللہ کا جو حکم تم پر واضح ہو اس کے مطابق فیصلہ کرو۔ اگر تمہیں پوری کتاب کا علم نہ ہو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو فیصلہ وضاحت کے ساتھ تمہارے پاس موجود ہو اس کے مطابق فیصلہ کرو۔ اگر تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام فیصلوں کا علم نہ ہو تو ہدایت یافتہ ائمہ کا جو فیصلہ تمہیں واضح طور پر مل جائے اس کے مطابق فیصلہ کرو۔ اگر ائمہ نے جو فیصلے کیے ہیں اس کا بھی پورا علم نہ ہو تو اپنی رائے

= ایک روایت امام غزالی نے احیاء العلوم میں نقل کی ہے۔ زین الدین عراقی اس کی تخریج میں لکھتے ہیں۔ الطبرانی من حدیث ابن عباس فیہ عبد اللہ بن کیسان ضعفہ الجمہور المغنی عن حمل الاسفار الخ ۱/۲۰ مطبوعہ مصر

[1] دارمی، مقدمہ، باب الفتیا، وما فیہ من الشدۃ۔

[2] بیہقی، السنن الکبریٰ: ۱۰/۱۱۴-۱۱۵ قال الحافظ اخرجہ البیہقی بسند صحیح فتح الباری: ۱۳/ ۲۶۳ ۱۹ھ

سے اجتہاد کرو اور اہلِ علم وتقویٰ سے مشورہ کرو[۱]

محارب بن دثار کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے دمشق کے ایک قاضی سے پوچھا: فیصلہ کیسے کرتے ہو؟ اس نے عرض کیا اللہ کی کتاب کے مطابق۔ آپ نے پوچھا اگر کوئی ایسا مسئلہ ہو جو اللہ کی کتاب میں نہ ہو تو کیا کرتے ہو۔ اس نے جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق فیصلہ کرتا ہوں۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا اگر کوئی ایسا مسئلہ درپیش ہو کہ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت بھی موجود نہ ہو تو کیا کرتے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ اپنی رائے سے اجتہاد کرتا ہوں اور اپنے ساتھیوں سے مشورہ کرتا ہوں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا بہت خوب[۲]

اسی وجہ سے فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ قاضی کو اپنے فیصلوں میں اصحاب علم وتقویٰ سے مشورہ کرنا چاہیے۔

اس سے آگے دیکھئے، امت کے تمام اجتماعی امور کو باہم مشورہ سے طے کرنے کی ہدایت کی گئی ہے اس کی نمایاں مثال خلیفہ کا انتخاب ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خلافت کے لیے کسی بھی شخص کو نامزد نہیں کیا اور اسے پوری امت کے حوالہ کر دیا۔ اس کا مطلب ہی یہ ہے کہ امت باہم مشورے سے کسی بھی شخص کو خلیفہ منتخب کر سکتی ہے۔ چنانچہ امت کے اربابِ حل وعقد نے باہم مشورے سے حضرت ابوبکر کا انتخاب کیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ کو اپنا جانشین مقرر کیا۔ لیکن تاریخی روایات بتاتی ہیں کہ انھوں نے یہ کام اکابر صحابہؓ کے مشورہ سے کیا تھا۔ بعض صحابہ کو اس میں تردد تھا لیکن حضرت ابوبکر صدیقؓ نے انھیں مطمئن کر دیا۔ روایا سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے مرض الموت میں صحابۂ کرام کو جمع کر کے فرمایا: میرا وقت قریب آگیا ہے تم جسے چاہو اپنا امیر منتخب کر لو۔ یہ کام میری زندگی میں ہو جائے تو اچھا ہے۔ اس سے اختلاف سے بچ سکو گے۔ صحابہ نے غور وفکر کیا لیکن جب کسی نتیجہ پر نہیں پہنچ سکے تو حضرت ابوبکر سے کہا: اس معاملہ میں جو آپ کی رائے ہو وہی ہماری رائے ہے۔ اس پر حضرت ابوبکرؓ نے وقت مانگا اور پھر غور وفکر (غالباً اکابر صحابہ کے مشورہ) کے بعد حضرت عمرؓ کے نام کا فیصلہ کیا اور عہد نامہ لکھوا دیا[۳]

۱؎ کنز العمال: ۵/۸۵۴   ۲؎ کنز العمال: ۵/ ۸۴۲

۳؎ کنز العمال: ۵/۴۰۰ ۴۰۱ مزید اس سے آگے۔

اس طرح کہا جاسکتا ہے کہ یہ فرد واحد کا انتخاب نہیں تھا بلکہ صحابہ کی تائید اور مشورے سے حضرت ابوبکرؓ کی جانشینی کا مسئلہ طے ہوا تھا۔ حضرت عثمانؓ کا انتخاب اس مجلس نے کیا جسے حضرت عمرؓ نے متعین کیا تھا اور جس پر پوری امت کو اعتماد تھا۔ پوری امت کے اندر اس مجلس کے افراد کی حیثیت اس قدر مسلّم تھی کہ حضرت عمرؓ نے تعیین نہ بھی فرمائی ہوتی تو انھیں میں سے خلیفہ کا انتخاب ہوتا۔ حضرت علیؓ کا انتخاب اہلِ مدینہ نے کیا جو اس وقت اربابِ حل وعقد تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خلیفہ کا انتخاب شوریٰ کے ذریعہ ہونا چاہئے۔ اسلام نے شوریٰ کا حکم دیا ہے اس کی شکل متعین نہیں کی ہے۔ کوئی بھی ایسی شکل اختیار کی جاسکتی ہے جس میں عوام کے نمائندے یا اربابِ حل وعقد کا مشورہ شریک ہو۔ مشورے کے بغیر جو انتخاب ہوگا وہ غلط ہوگا۔ اس سلسلے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول پیشِ نظر رہنا چاہیے جس میں آپؓ نے فرمایا:۔

من بایع احدا عن غیر	جس نے مسلمانوں کے مشورے کے بغیر
مشورة المسلمین فلا بیعة	کسی کی بیعت کی تو اس کی بیعت کا اعتبار نہ
لہ ولا بیعة للذی بایعہ	ہوگا اور اس شخص کی بھی بیعت نہ ہوگی جس
تغرة ان یقتلا [1]	کی بیعت اس نے کی۔ اس بات کا ڈر ہے
	کہ وہ دونوں اپنی اس حرکت کی وجہ سے
	قتل نہ کردئے جائیں۔

اس کی تشریح میں علامہ ابن اثیر نے لکھا ہے کہ قوم کے سربرآوردہ افراد کے مشورے اور اتفاق کے بعد ہی بیعت ہوسکتی ہے۔ اگر کوئی شخص ان کے اتفاق کے بغیر کسی کے ہاتھ پر بیعت کرے تو بڑے جرم کا ارتکاب کرے گا اور اس جرم میں ان دونوں کو قتل بھی کیا جاسکتا ہے[2]

خلیفہ کا انتخاب، اسلامی ریاست کا بنیادی مسئلہ ہے۔ اسی پر دوسرے اہم مسائل قیاس کیے جاسکتے ہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین کی سیرت سے ثابت ہے کہ ریاست کے تمام اہم معاملات میں وہ اربابِ حل وعقد سے مشورہ فرماتے تھے۔

ایک طرف اسلام نے امت کے اندر شوریٰ کا مزاج پیدا کیا۔ اس کی ترغیب

---

[1] بخاری، کتاب المحاربین۔ مسند احمد مرویات عمر

[2] النہایہ فی غریب الحدیث: ۱/۱۵۶۔ نیز ملاحظہ ہو۔ لسان العرب مادہ: غ، ر، ر۔

دی اور تاکید کی خود رائی اور استبداد سے منع کیا۔ دوسری طرف جس فرد یا جن افراد سے مشورہ کیا جائے انھیں اخلاص و خیر خواہی کے ساتھ مشورہ دینے کا حکم دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

المستشار مؤتمن [1]	جس سے مشورہ کیا جائے وہ امین ہوتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ مشورہ طلب کرنے والا جس سے مشورہ طلب کرتا ہے اسے اپنا راز داں اور اپنی امانت کا محافظ بناتا ہے۔ اسے اس کا بہترین خیر خواہ ہونا چاہیے۔ اسے کوئی ایسا مشورہ نہیں دینا چاہیے جس میں اس کی دنیا اور آخرت کا نقصان ہو ورنہ وہ اس کے ساتھ خیانت کرے گا۔

یہی بات ایک دوسری حدیث میں ان الفاظ میں کہی گئی ہے:

من اشار علی اخیہ بامر یعلم ان الرشد فی غیرہ فقد خانہ [2]	جس نے اپنے کسی بھائی کو ایک بات کا مشورہ دیا حالانکہ وہ جانتا تھا کہ اس کے لیے رشد و فلاح دوسری چیز میں ہے تو اس نے اس کے ساتھ خیانت کی۔

اسی طرح اسلام نے جہاں سیاسی امور کو مشورہ سے طے کرنے کی ہدایت کی ہے وہیں یہ بھی بتایا ہے کہ خلیفہ اور حاکم کے مشیروں میں کیا اوصاف ہونے چاہئیں اور اسے کن لوگوں سے مشورہ کرنا چاہیے۔

حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مابعث اللہ من نبی ولا استخلف من خلیفۃ الا کانت لہ بطانتان۔ بطانۃ تامرہ بالمعروف وفی روایۃ وتنھاہ عن المنکر وبطانۃ	اللہ تعالیٰ نے جس نبی کو بھی بھیجا اور جس شخص کو بھی خلیفہ بنایا تو اس کے ساتھ دو طرح کے راز دار لگا دئے ایک تو ایسے راز دار جو اسے معروف کا حکم دیتے اور منکر سے منع کرتے ہیں اور دوسرے

---

[1] ابو داؤد: کتاب الادب، باب المشورۃ۔ ترمذی، ابواب الآداب، باب ان المستشار مؤتمن

[2] ابو داؤد، کتاب العلم، باب التوقی فی الفتیا۔

تامرہ بالشر وتحضہ علیہ فالمعصوم من عصمہ اللہ تعالٰی[1]
ایسے رازدار جو اُسے شر کا حکم دیتے اور اس پر اکساتے۔ اس سے وہی محفوظ رہتا ہے جسے اللہ محفوظ رکھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتی ہیں کہ آپ نے فرمایا:۔

اذا اراد اللہ بالامیر خیرًا جعل لہ وزیر صدق ان نسی ذکرہ وان ذکر اعانہ واذا اراد بہ غیر ذالک جعل لہ وزیر سوء ان نسی لم یذکرہ وان ذکر لم یعنہ[2]
اللہ تعالیٰ جب کسی امیر کے ساتھ خیر کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے لیے سچا اور مخلص وزیر دیتا ہے۔ اگر امیر بھول جائے تو اسے وہ یاد دلاتا ہے اور اگر کسی اچھی بات کا ارادہ کرے تو اس پر عمل کرنے میں اس کی مدد کرتا ہے لیکن جب اللہ تعالیٰ کسی امیر کے ساتھ کوئی دوسری بات چاہتا ہے تو اس کے ساتھ برا وزیر لگا دیتا ہے۔ اگر امیر کسی بات کو بھول جائے تو اسے یاد نہیں دلاتا اور اگر اس کا ذکر کرے تو اس میں اس کی مدد نہیں کرتا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مشورہ کے لیے ایسے لوگوں کا انتخاب عمل میں آنا چاہیے جو حاکم وقت کو خیر و صلاح کا مشورہ دیں، بدی اور شر سے روکیں، معروف کی ترغیب دیں اور منکر سے باز رکھنے کی کوشش کریں، کسی ذمہ داری کے ادا کرنے میں غفلت ہو تو یاد دہانی کرائیں اور خدا کے بندوں کے حقوق ادا کرنے میں قدم قدم پر اس کی معاونت کریں۔ یہ مشیر ہر عمر اور ہر طبقہ کے لوگ ہو سکتے ہیں بشرطیکہ ان کے اندر دینی بصیرت پائی جائے۔ حضرت عمرؓ کے بارے میں آتا ہے:۔

---

[1] بخاری، کتاب الاحکام، باب بطانۃ الامام واہل مشورتہ۔

[2] ابوداؤد، کتاب الخراج والفیٔ والامارۃ، باب فی اتخاذ الوزیر۔ ورواہ النسائی الجزء الاول، کتاب البیعۃ، باب فی وزیر الامام۔ مسند احمد: ۶/۷۰

وکان القرّاء اصحاب مجلس عمر ومشاورتہ کہولا کانوا اوشبانا [1]	قرآن کا علم رکھنے والے حضرت عمر کی مجلس کے افراد اور ان کے مشیر تھے چاہے وہ عمر رسیدہ ہوں یا جوان۔

ابن سیرین تو یہاں تک کہتے ہیں:۔

ان کان عمر بن الخطاب یستشیر فی الامر حتی ان کان یستشیر المرأۃ فربما ابصر فی قولہا الشیٔ یستحسنہ فیاخذبہ [2]	عمر بن الخطابؓ معاملات میں مشورہ کرتے تھے یہاں تک کہ عورتوں سے بھی مشورہ کرتے تھے۔ بسا اوقات ان کی باتوں میں بھی ایسی چیز دیکھتے جسے پسند کرتے اسے اختیار کر لیتے۔

ایک اہم سوال یہاں پیدا ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ کیا سربراہ مملکت کے لیے امور مملکت میں مشورہ ضروری ہے یا محض پسندیدہ عمل ہے۔ اس سلسلہ میں قرآن مجید نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا ہے وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ہمارے فقہاء کے درمیان اس معاملہ میں اختلاف رہا ہے کہ مشورہ آپ کے لیے واجب تھا یا محض صحابہ کرام کی تطییب قلب اور دلجوئی کے لیے یہ حکم دیا گیا۔ اس بحث کا تعلق رسولِ اکرمؐ کی ذات گرامی اور منصب رسالت سے بھی ہے۔ اس بحث کو فی الحال ہم نظر انداز کرتے ہیں، لیکن اگر اس حکم کو آپ کے ساتھ مخصوص نہ سمجھا جائے اور امت کو بھی اس کا مخاطب مانا جائے تو بظاہر سربراہِ مملکت کے لیے مشورہ ضروری قرار پائے گا اس لیے کہ معروف قاعدہ ہے کہ امر وجوب کے لیے ہوتا ہے [3]۔

اب اس کے بعد دوسرا سوال پیدا ہوتا ہے وہ یہ کہ کیا اسلامی ریاست کا سربراہ مشیروں کے مشوروں کا پابند ہے یا اس کے خلاف بھی عمل کر سکتا ہے؟ اس کا جواب ایک حدیث میں ہمیں ملتا ہے جو حضرت علیؓ سے مروی ہے فرماتے ہیں:۔

---

[1] بخاری، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، باب الاقتداء بسنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

[2] بیہقی: السنن الکبریٰ: ۱۰/۱۱۳

[3] اس سے اختلاف بھی کیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو۔ رازی: التفسیر الکبیر: ۳/۸۵، شوکانی۔ نیل الاوطار: ۸/۴۶

سئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن العزم قال مشاورۃ اھل الرای واتباعھم[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس عزم کے بارے میں پوچھا گیا جس کا قرآن میں ذکر ہے آپ نے فرمایا: اہل الرائے سے مشورہ کرنا اور اس کے مطابق عمل کرنا۔

یہ حدیث بتاتی ہے کہ کسی بھی معاملہ میں اقدام کا عزم اور پختہ ارادہ اس مشورے کے مطابق ہوگا جو اہل الرائے اور مشیرانِ کار کی طرف سے دیا جائے گا۔

اس ذیل میں ایک آخری سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا سربراہ مملکت ہر معاملہ میں اہل الرائے کا پابند ہوگا۔ میرے خیال میں بنیادی پالیسی کے امور میں سربراہ کو اس کا پابند ہونا چاہیے۔ اس کے خلاف کوئی بھی اقدام اس لیے صحیح نہ ہوگا۔ البتہ جزوی مسائل میں مشورہ سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ لیکن ان کی پابندی اس کے لیے ضروری نہ ہوگی۔[2]

---

[1] ابن کثیر: تفسیر بحوالہ ابن مردویہ: ۱/ ۴۲۰

[2] خلفائے راشدین کے دور سے دونوں طرح کی مثالوں کے لیے ملاحظہ ہو راقم کی مذکورہ بالا کتاب 'اسلام کا شورائی نظام'

مکتبہ تحقیق سے آپ مندرجہ ذیل تفسیریں اور اس کے متعلقات طلب فرما سکتے ہیں۔

۱۔ تفہیم القرآن	اول الفاتحہ تا الانعام	مولانا مودودی	۷۵/-	(۹) ترجمان القرآن	اول	مولانا ابوالکلام آزاد	۷۵/-
۲۔ "	دوم اعراف تا بنی اسرائیل	"	۷۵/-	(۱۰) "	دوم	"	۷۵/-
۳۔ "	سوم کہف تا روم	"	۸۵/-	(۱۱) "	سوم	"	۷۵/-
۴۔ "	چہارم لقمان تا احقاف	"	۷۵/-	(۱۲) "	چہارم	"	۷۵/-
۵۔ "	پنجم محمد تا طلاق	"	۷۵/-	(۱۳) فی ظلال القرآن	سید قطب شہید، مترجم مولانا حامد علی	پارہ عم	۷۰/-
۶۔ "	ششم تحریم تا الناس	"	۶۵/-	(۱۴) "	"	" اول	۱۱۰/-
۷۔ ترجمہ قرآن مجید مع مختصر حواشی		"	۶۰/-	(۱۵) "	"	" دوم	۷۵/-
۸۔ تلخیص تفہیم القرآن (مولانا صدرالدین)		"	۱۴۰/-	(۱۶) سورہ فاتحہ ایک تجزیاتی مطالعہ		الطاف احمد اعظمی	۱۵/-

مکتبہ تحقیق و تصنیف اسلامی پان والی کوٹھی۔ دودھپور علی گڑھ